حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا بے شادی شدہ شخص کا نکاح دوسروں پر واجب ہے؟

سید جلال الدین عمری

ہمارے معاشرہ میں ماں باپ کو بالعموم اپنی اولاد کی شادی بیاہ کی فکر ہوتی ہے بلکہ اس سلسلے میں وہ پریشان رہتے ہیں اور وہی اس کا انتظام کرتے ہیں۔ اولاد معاشی لحاظ سے کم زور ہو تو اس کا اور اس کے بیوی بچوں کا خرچ بھی برداشت کرتے ہیں۔ کبھی کبھی اس کی قانونی حیثیت کے متعلق سوال کیا جاتا ہے کہ کیا باپ پر اپنی اولاد کا نکاح واجب ہے۔ باپ نہ ہو تو یہ ذمہ داری کیا کسی دوسرے پر عائد ہوتی ہے؟ جب میں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ اس سوال کا جواب ہمارے فقہاء نے کیا دیا ہے تو ایک دوسرے سوال سے دوچار ہونا پڑا جس کی طرف ذہن نہیں جاتا تھا۔ وہ یہ کہ کبھی باپ بھی باعفت زندگی گزارنے کے لیے بیوی کی ضرورت محسوس کرسکتا ہے۔ اس کی یہ ضرورت بیوی موجود ہو تو پوری ہوسکتی ہے۔ یہ بیوی اولاد کی سگی ماں یا سوتیلی ماں ہوگی۔ اس کا بھی امکان ہے کہ بیوی موجود نہ ہو یا بیوی کی موجودگی میں وہ دوسری شادی کرنا چاہے۔ سوال یہ ہے کہ باپ اگر معاشی لحاظ سے اس موقف میں نہ ہو کہ وہ اپنی یہ ضرورت پوری کرسکے تو کیا اولاد کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کے نکاح کا بوجھ اٹھائیں یا موجود بیوی کے اخراجات برداشت کریں۔ اگر یہ ان کی ذمہ داری ہے تو کیا وہ صرف اپنی سگی ماں کی

حد تک ہوگی یا سوتیلی ماں بھی اس میں شامل ہوگی۔ ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں صرف ایک کے نان نفقہ کی ذمہ داری عائد ہوگی یا سب کے اخراجات برداشت کرنے ہوں گے۔ ذیل کے مقالہ میں اسی طرح کے سوالات کا جواب اسلامی تعلیمات کے وسیع پس منظر میں دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ——————— (جلال الدین)

اگر کوئی شخص نکاح کے قابل ہو جائے اور اپنی غربت اور ناداری کی وجہ سے نکاح نہ کر سکے تو کیا اس کے والدین یا سرپرست کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کا نکاح کرادے اور اگر اس کو معاشی استقلال حاصل نہ ہو تو اس کی کفالت کے ساتھ اس کے بیوی بچوں کا بھی معاشی بوجھ اٹھائے؟ اس کے جواب کے لیے ہمیں قرآن مجید کی ایک آیت پر غور کرنا ہوگا یہ آیت ہے سورۂ نور کی۔

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ	تم میں سے جو مجرد ہوں اور تمہارے
وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ	غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو صالح
وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ	ہوں ان کے نکاح کردو۔ اگر وہ غریب
يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ	ہیں تو اللہ اپنے فضل سے انھیں غنی
(نور: ۳۲)	کردے گا۔

اس حکم کے بارے میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب کون ہیں؟ دوسرے لفظوں میں یہ بات کس سے کہی گئی ہے کہ وہ بے شادی شدہ لوگوں کا نکاح کرادے؟ ایک رائے یہ ہو سکتی ہے کہ حکم عام ہے۔ اس میں کسی خاص فرد یا مجموعہ افراد سے خطاب نہیں کیا گیا ہے اس لیے پوری مسلم سوسائٹی اور اسلامی ریاست اس کی مخاطب ہے۔ یہ ایک اسلامی معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ جو شخص محض افلاس اور معاشی تنگی کی وجہ سے نکاح نہ کر سکے اس کا نکاح کرائے اور اس کی مالی مدد کرے۔ ابن جریر طبری کی یہی رائے ہے چنانچہ وہ اس کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

يقول تعالىٰ ذكره وزوجوا — اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ایمان والو!

ایھا المومنون من لا زوج	تمہارے آزاد مردوں اور عورتوں میں
لہ من احرار رجالکم	جو بے شادی شدہ ہیں، اسی طرح تمہارے
ونساء کم ومن اھل الصلاح	غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نیک
من عبادکم وامائکم[۱]	اور صالح ہیں، ان کے نکاح کرا دو۔

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ اس کے مخاطب آزاد انسانوں کے سرپرست اور غلاموں کے مالک ہیں چنانچہ ابوالسعود کہتے ہیں۔

ان الخطاب للاولیاء	آیت میں خطاب یقیناً سرپرستوں اور
والسادات[۲]	غلاموں کے مالکوں سے ہے۔

ان دونوں باتوں میں تضاد نہیں ہے اس لیے کہ ایک اسلامی معاشرہ کی یہ دینی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو باعفت زندگی گزارنے میں مدد دے اور ایسی صورت نہ پیدا ہونے دے کہ کوئی شخص شادی نہ ہونے کی وجہ سے غلط راستہ پر پڑ جائے لیکن اس کے اولین مخاطب آدمی کے قریب ترین افراد اور اس کے اولیاء و سرپرست ہی ہوں گے۔ ہاں اگر وہ موجود نہ ہوں یا موجود ہوں اور مدد نہ کر سکیں تو پھر پورے معاشرہ اور ریاست کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ عفت و عصمت کی زندگی گزارنے میں اس کا تعاون کرے اور اس راہ کی مشکلات کو دور کرے۔ اس کو نفقہ پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ایک نادار شخص کا نفقہ پہلے اس کے والدین اور قریب ترین اعزہ پر واجب ہوتا ہے اور ریاست پر اس کی ذمہ داری اس وقت عائد ہوتی ہے جب کہ اس کے قریبی رشتہ دار یہ بوجھ نہ اٹھا سکیں۔

اس سلسلہ میں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حکم کی نوعیت کیا ہے؟ کیا والدین یا سرپرست کی یہ قانونی ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد یا ما تحت شخص کا نکاح کر دیں یا اس کی حیثیت محض ایک اخلاقی حکم کی ہے؟ فقہی اصطلاح میں کیا یہ حکم واجب ہے یا اس پر عمل صرف ایک مستحب اور پسندیدہ فعل ہے؟

زمخشری کہتے ہیں کہ یہ حکم ندب و استحباب کے لیے ہے اس لیے کہ نکاح مندوب

---

[۱] جامع البیان فی تفسیر القرآن، قدیم ایڈیشن جزء ۱۸/ ۱۸۷

[۲] تفسیر ابی السعود علی ہامش الرازی۔ ۱۹۷/۱۷۔ یہی بات قاضی بیضاوی نے بھی کہی ہے۔

ہے (مطلب یہ کہ جب نکاح کرنا ہی فرض نہیں ہے تو نکاح کرانا کیسے فرض ہو جائے گا) ہاں اگر عورت سرپرست سے اس کا مطالبہ کرے تو یہ اس کے لیے فرض ہو جائے گا[1]

لیکن اس معاملہ میں عورت اور مرد کے درمیان تفریق صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ خود زمخشری نے جیسا کہ لکھا ہے' "ایم" کا لفظ بے شادی شدہ مرد اور عورت دونوں ہی کے لیے آتا ہے اس لیے اس سے یہ استدلال تو صحیح ہو سکتا ہے کہ جو بھی بے شادی شدہ شخص کا نکاح کا مطالبہ کرے، چاہے وہ مرد ہو یا عورت اس کے اس مطالبہ کا پورا کرنا سرپرست کے لیے ضروری ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی تخصیص صحیح نہیں ہو سکتی۔ جو بھی حکم ہو گا دونوں سے متعلق ہو گا۔

اس موضوع سے بحث کرتے ہوئے علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:۔

"قرآن مجید کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بے شادی شدہ شخص کا نکاح کر دینا واجب ہے لیکن سلف اور مختلف ممالک کے فقہاء کا اجماع ہے کہ یہ حکم واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اس لیے کہ اگر واجب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل فرماتے اور آپ کا یہ عمل پورے تسلسل کے ساتھ اور بکثرت منتقل ہوتا اس لیے کہ یہ ایک عام انسانی ضرورت ہے اگر آپ نے اس کی تکمیل فرمائی ہوتی تو اسے بیان کرنے والے افراد دو ایک نہ ہوتے بلکہ بہت بڑی تعداد بیان کرتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے زمانہ میں بھی اور آپ کے بعد کے زمانہ میں بھی بے شادی شدہ مرد اور عورتیں ہوتی تھیں اور لوگ اس بات پر اعتراض نہیں کرتے تھے کہ ان کی شادی نہیں کرائی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم واجب نہیں ہے۔ اس بات کی دلیل کہ یہ حکم وجوب کے لیے نہیں ہے یہ بھی ہے کہ بیوہ اور مطلقہ اگر شادی سے انکار کر دے تو ولی یا سرپرست اس کو نہ تو مجبور کر سکتا ہے اور نہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی شادی ہی ہو سکتی ہے اس کے عدم وجوب کی تیسری دلیل یہ ہے کہ سب ہی لوگ اس پر متفق ہیں کہ غلام اور لونڈی کے نکاح پر اس کے مالک کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ زیر بحث آیت میں آزاد اور غلام دونوں کے نکاح کے بارے میں ایک ساتھ ایک ہی حکم دیا گیا ہے اس لیے دونوں کی نوعیت

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل ۳: ۶۳/

ایک ہونی چاہیے۔ اگر غلام کا نکاح واجب نہیں ہے تو آزاد کا نکاح بھی واجب نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم سب کے لیے مندوب ہے"۔[1]

جصاص کی یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اس حکم کے عدم وجوب پر اجماع ہے۔ اسی طرح ان کے دلائل بھی ایسے نہیں ہیں جن پر سب کا اتفاق ہو۔ البتہ اس کو جمہور کا مسلک ضرور قرار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ابوحیان اندلسی کہتے ہیں۔

والظاھران الامر فی	بظاہر 'وانکحو' (نکاح کرادو) میں حکم
قولہ وانکحوا للوجوب	وجوب کے لیے ہے۔ اہل ظاہر کی یہی
وبہ قال اھل الظاھر واکثر	رائے ہے لیکن اکثر علماء کے نزدیک
العلماء علی انہ ھنا للندب[2]	یہاں امر ندب واستحباب کے لیے ہے۔

اس مسئلہ میں حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ بچہ محتاج ہو تو جس طرح باپ پر اس کا نفقہ واجب ہے اسی طرح اگر وہ نکاح کی ضرورت محسوس کر رہا ہو اور اس کا مطالبہ کرے تو اس کے اس مطالبہ کا پورا کرنا بھی واجب ہے۔ تاکہ وہ ایک طرف کھانے کپڑے اور دوسری بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہے تو دوسری طرف آسانی سے عفت وعصمت کی زندگی گزار سکے اور شادی نہ ہونے کی وجہ سے بدکاری میں گرفتار نہ ہو جائے یہی رائے فقہاء شوافع میں سے بعض حضرات کی ہے۔

حنابلہ کے نزدیک جس طرح نادار بیٹے کا نکاح باپ پر واجب ہے اسی طرح باپ اگر نادار اور مفلس ہو اور وہ نکاح کی ضرورت محسوس کر رہا ہو تو اس کا نکاح بھی بیٹے پر واجب ہے۔ اس سلسلہ میں جو اخراجات ہوں گے بیٹا بعد میں ان کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس نے اپنا ایک فرض پورا کیا ہے باپ کو قرض نہیں دیا ہے۔ شادی کے بعد باپ بیوی کو (کسی نامعقول وجہ سے) طلاق دے دے تو دوبارہ اس کی شادی کا انتظام کرنا بیٹے کے لیے ضروری نہیں ہے۔ ہاں اگر بیوی کا انتقال ہو جائے تو دوبارہ اس کی شادی کرنا لازم ہے۔

اسی بنیاد پر اگر غلام نکاح کا مطالبہ کرے تو آقا کے لیے اس مطالبہ کا پورا کرنا بھی ضروری

---

[1] جصاص: احکام القرآن ۳/۳۹۴ [2] البحر المحیط: ۶/۴۵۱

ہے ۔اگر وہ اس مطالبہ کو پورا نہ کرسکے تو اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اسے بیچ دے یا آزاد کردے۔حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ لونڈی یا غلام کو عفت وعصمت کی زندگی گزارنے کی سہولت نہ فراہم کی جائے اور وہ کسی معصیت کا ارتکاب کر بیٹھیں تو مالک پر اس کا گناہ ہوگا۔یہ دلیل ہے اس بات کی کہ غلام کا نکاح اس کے مالک پر واجب ہے ورنہ وہ غلام کے غلط عمل کی وجہ سے گناہ گار نہ ہوگا۔[1]

اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس شخص کا نفقہ آدمی پر واجب ہے اس پر اس کے نکاح کی بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

ایک محتاج شخص کے نکاح کے بعد اس کے بیوی بچوں کا نفقہ کون برداشت کرے گا؟ فقہ حنبلی میں اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص پر کسی کے نکاح کی شرعاً ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔اسی کو اس کے بیوی بچوں کا نفقہ بھی برداشت کرنا ہوگا۔ورنہ ظاہر ہے ایک نادار اور مفلس انسان کو جب تک اس بات کا اطمینان نہ ہوجائے کہ اس کی بیوی اور بچوں کے اخراجات کا بھی کوئی معقول انتظام ہے وہ نکاح کی ہمت نہیں کرسکتا۔[1]

متاخرین میں امام ابن تیمیہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ جس شخص کا نفقہ آدمی پر واجب ہے اس کو اس کے بیوی بچوں کا معاشی بوجھ بھی اٹھانا چاہیے۔چنانچہ وہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ باپ اگر محتاج ہے اور اس کے بیوی (سوتیلی ماں) اور بچے بھی ہیں تو صاحب حیثیت لڑکے پر ان سب کا نفقہ واجب ہے۔[2]

فقہ مالکی میں کہا گیا ہے کہ لڑکے پر واجب ہے کہ وہ باپ کے باعفت زندگی گزارنے کا نظم کرے۔اس کے لیے ایک بیوی کافی ہوسکتی ہے۔لہٰذا اس کا نفقہ لڑکے پر واجب ہوگا۔بعض حالات میں آدمی کو ایک سے زیادہ بیویوں کی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے۔اس صورت میں ان سب کا نفقہ اس پر واجب ہوجائے گا۔اس پہلو سے سگی ماں کا نفقہ بھی واجب ہوجائے گا۔اگر باپ کو باعفت زندگی گزارنے

---

[1] پوری تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ابن قدامہ: المغنی جدید ایڈیشن، ۵۸۷/۷-۵۸۹- قدیم ایڈیشن ۲۶۲/۹-۲۶۴-نیز اسی کے حاشیہ پر شرح کبیر ۲۹۰-۳۰۰

[2] فتاویٰ ابن تیمیہ (جدید) ۱۰۱/۳۴-۱۰۲-قدیم ۱۶۴/۴-نیز دیکھی جائے الاختیارات العلمیہ ص ۱۶۸

کے لیے اس کی ضرورت ہو۔ اس صورت میں ماں دولت مند ہی کیوں نہ ہو اس کا نفقہ لڑکے کو دینا ہوگا۔[1]

اس مسئلہ میں فقہ شافعی کا مسلک یہ ہے کہ باپ کا نفقہ بیٹے پر واجب ہو تو اس کی بیوی (سوتیلی ماں) کا نفقہ بھی اس پر واجب ہوگا۔ باپ کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو وہ صرف ایک بیوی کا نفقہ اس کے حوالے کردے گا تاکہ وہ ان کے درمیان تقسیم کردے۔ اس کے برعکس بیٹے کا نفقہ باپ پر واجب ہونے سے اس کی بیوی (بہو) کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔[2]

اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جن وجوہ سے سوتیلی ماں کا نفقہ لڑکے پر واجب ہوتا ہے ان ہی وجوہ سے بہو کا نفقہ خسر پر واجب ہونا چاہیے۔ باپ کے ساتھ سوتیلی ماں کا نفقہ واجب ہونے کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ اس سے وہ عفت وعصمت کی زندگی گزار سکتا ہے۔ یہ وجہ بیٹے کے سلسلے میں زیادہ شدت کے ساتھ پائی جاسکتی ہے لہٰذا بہو کا نفقہ خسر پر واجب ہونا چاہیے تاکہ غریب اور نادار بیٹا بھی شادی کی ہمت کرسکے اور اس کے لیے بھی عفت کی زندگی بسر کرنا آسان ہوجائے۔

فقہاء احناف کے نزدیک جس شخص کا نفقہ آدمی پر واجب ہے اس کا نکاح اس پر واجب نہیں ہے اس لیے نکاح کے بعد کی معاشی ذمہ داریوں کا اٹھانا بھی اس کے لیے ضروری نہیں ہے۔ اسی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ کسی کی حقیقی ماں محتاج ہو تو بحیثیت ماں اس کا نفقہ واجب ہے لیکن باپ کی کسی دوسری بیوی (سوتیلی ماں) کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ نقل کی جاتی ہے کہ

---

[1] احمد الدردیر: الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی مذہب امام مالک مع حاشیہ العلامۃ الصاوی: ۲/۷۵۲

[2] حاشیۃ الجمل: ۴/۵۱۱۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے حنابلہ اور امام شافعی کا نقطہ نظر اس سے مختلف بتایا ہے۔ فرماتے ہیں ویلزم الرجل اعفاف ابنہ اذا احتاج الی النکاح وھذا ظاھر مذھب الشافعی ولھم فی اعفاف الاب الصحیح وجہ اٰخر انہ لایجب۔ المغنی: ۷/۵۸۷ (یعنی اگر لڑکا نکاح کی حاجت محسوس کرے تو باپ پر لازم ہے کہ نکاح کے ذریعہ اس کے باعفت زندگی گزارنے کا نظم کرے۔ یہی امام شافعی کا بھی ظاہر مذہب ہے۔ البتہ صحیح اور تندرست باپ کے نکاح کے بارے میں ان کی ایک دوسری رائے ہے۔ وہ یہ کہ لڑکے پر وہ واجب نہیں ہے۔)

لڑکے پر باپ کی بیوی کا نفقہ تو فرض ہے لیکن باپ پر لڑکے کی بیوی کا نفقہ فرض نہیں ہے۔ یہ وہی مسلک ہے جو امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ فقہ حنفی کے نقطۂ نظر سے سوتیلی ماں کا نفقہ لڑکے پر اور بہو کا نفقہ خسر پر واجب نہیں ہے، ماں باپ یا لڑکا بیماری اور صحت کی خرابی کی وجہ سے عورت کی خدمت کا محتاج ہو تو اس کے نفقہ کے ساتھ اس کی بیوی کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔[۱]

آخر میں ہم اس مسئلہ میں دورِ جدید کے مشہور مفسر سید قطب شہید کی رائے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کے ہم خیال ہیں جن کی رائے یہ ہے کہ زیر بحث آیت میں امت مسلمہ سے خطاب کیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم ان کی بحث کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کا جنسی رجحان بہت شدید ہوتا ہے۔ نکاح اس رجحان کے مقابلے کا ایک فطری طریقہ ہے۔ اس لیے اس راستہ میں جو رکاوٹیں ہوں ان کو دور کرنا ضروری ہے تاکہ زندگی فطری طریقہ پر آگے بڑھے اور اس کے جنسی رجحان کی صحیح ڈھنگ سے تکمیل ہو۔ اس راہ میں بڑی رکاوٹ مالی دشواریوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اسلام نے عفت و عصمت کو جہاں فرض قرار دیا وہیں اس کے لیے ہر طرح کی آسانیاں بھی فراہم کی ہیں۔ ان آسانیوں کی موجودگی میں واقعہ یہ ہے کہ بے حیائی اور بدکاری کی طرف وہی شخص جائے گا جو قصد و ارادہ کے ساتھ پاک اور آسان راستہ کو بغیر کسی مجبوری کے چھوڑنا چاہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پوری امت مسلمہ کو حکم دیا ہے کہ جو شخص نکاح کرنا چاہے اس کی راہ میں اگر کوئی مالی رکاوٹ ہو تو اس رکاوٹ کو دور کردے۔ مطلب یہ کہ یہ پوری امت کی ذمہ داری ہے کہ جو لوگ اپنی غربت اور افلاس کی وجہ سے نکاح نہ کرسکتے ہوں ان کے نکاح کا وہ نظم کرے۔

آیت میں جو حکم دیا گیا ہے اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ وجوب کے لیے ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ امام بے شادی شدہ لوگوں کو نکاح پر مجبور کرے گا بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ ان میں سے جو لوگ شادی کرنا چاہیں ان کی اعانت حکومت پر

---

[۱] البحر الرائق ۴/ ۲۰۶ ۔ ردالمحتار علی الدرالمختار ۲/ ۹۲۷

واجب ہوگی تاکہ وہ ازدواجی زندگی گزار سکیں اور معاشرہ کو بدکاری سے بچایا جائے، چونکہ معاشرہ کو بدکاری سے پاک رکھنا واجب ہے اس لیے جن ذرائع سے یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے ان کا اختیار کرنا بھی واجب ہے۔

یہاں یہ بات بھی ہمارے سامنے رہنی چاہیے کہ اسلام معاشی مشکلات کا بالکل بنیادی علاج کرتا ہے جو لوگ تندرست ہیں ان کو وہ کسبِ معاش اور تحصیلِ رزق کی راہ پر لگاتا ہے تاکہ بیت المال کی اعانت کی ضرورت ہی نہ رہے۔ البتہ مخصوص حالات میں وہ بیت المال پر اعانت کی ذمہ داری ڈالتا ہے۔ اسلام کے اقتصادی نظام کی بنیاد ہی یہ ہے کہ ہر شخص مالی لحاظ سے دوسروں سے بے نیاز ہو اور ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ افراد کو کام کے مواقع فراہم کرے اور ان کے کام کا پورا پورا معاوضہ دلوائے۔ اس لیے کہ یہ ان کا حق ہے۔ بیت المال سے اعانت تو استثنائی صورتوں میں ہوگی۔ اس پر اسلام کے اقتصادی نظام کا ڈھانچہ قائم نہیں ہے۔ ان سب کوششوں کے باوجود جن افراد کے مالی حالات نکاح کی ذمہ داری اٹھانے کی اجازت نہ دے رہے ہوں ان کی مالی مدد کرنا جماعت کی ذمہ داری ہے تاکہ وہ بآسانی شادی کر سکیں۔ یہ بات صحیح نہ ہوگی کہ نکاح کے قابل کوئی شخص نکاح کرنا چاہے اور مالی احتیاج اس کی راہ میں رکاوٹ بن جائے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ مرد ہے یا عورت[1]

اس فکر انگیز بحث سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عفت وعصمت کی زندگی گزارنے کے لیے نکاح کی کیا اہمیت ہے اور اس راہ میں جو مالی دشواریاں پیش آتی ہیں ان کو اسلام کس طرح حل کرتا ہے لیکن یہاں یہ بات سامنے رہنی چاہئے کہ اگر کوئی شخص معاشی مشکلات میں گرفتار ہو تو اسلام پہلے اس کے خاندان والوں اور قریبی اعزہ پر یہ ذمہ داری ڈالتا ہے کہ وہ ان مشکلات سے اس کو نکالیں۔ اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو اسلامی ریاست اس بوجھ کو خود سے اٹھاتی ہے۔ سید قطبؒ نے اس درمیانی ادارہ (یعنی خاندان اور قریبی اعزہ) کا یہاں ذکر نہیں کیا ہے۔ اسی طرح اس مسئلہ سے بھی انھوں نے تعرض نہیں کیا ہے کہ جس شخص کے نکاح کی ذمہ داری، اس کی غربت

---

[1] سید قطب: فی ظلال القرآن: جزء ۱۸/ ۹۸-۹۹

اور افلاس کی وجہ سے اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے، نکاح کے بعد مزید جو معاشی مسائل اس کے لیے پیدا ہوں گے ان کو بھی وہ حل کرے گی یا نہیں؛ اس بحث کی روشنی میں اس کا جواب اثبات میں دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ ایک مفلس اور معذور شخص جو خود دوسروں کے تعاون کا محتاج ہو، اگر اس کو اس بات کا یقین نہ ہو کہ نکاح کے بعد اس کے بیوی بچوں کا بوجھ کوئی دوسرا فرد یا ادارہ اٹھائے گا وہ نکاح کی ہمت نہیں کر سکتا۔ اس طرح اس پوری بحث میں سید قطب شہیدؒ حنابلہ اور اہل ظاہر کے مسلک سے قریب ہو جاتے ہیں لیکن ان حضرات کی اس رائے سے اتفاق کرنا مشکل ہے کہ یہ حکم وجوب کے لیے ہے اور جو لوگ اپنی غربت کی وجہ سے نکاح نہ کر سکیں ان کے اعزا یا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ان کا نکاح کر دیں اور اس کے بعد پیدا ہونے والے معاشی مسائل کو بھی حل کریں۔

سب سے پہلے آیت کے الفاظ کو لیجیے۔ ان الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص بھی بے شادی شدہ ہے اس کے سرپرست کو یا اسلامی ریاست کو اس کی شادی لازماً کر دینی چاہیے، چاہے وہ اس کی ضرورت محسوس کرے یا نہ کرے اور خود اس کی طرف سے اس کا مطالبہ ہو یا نہ ہو[1] حالانکہ اس قدر عموم کے ساتھ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ جو لوگ اس کو واجب کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی کسی کا نکاح اس کے سرپرست پر اسی وقت واجب ہوگا جب کہ فی الواقع اس کو اس کی ضرورت ہو اور وہ سرپرست

---

[1] جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے اس سے ایک بات اور بھی نکلتی ہے وہ یہ کہ کوئی شخص خود سے شادی نہیں کر سکتا بلکہ یہ اس کے سرپرست کی ذمہ داری ہے کہ اس کی شادی کرے۔ چنانچہ شوافع نے اس سے یہی استدلال کیا ہے کہ عورت اپنے ولی کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی۔ بیضاوی کہتے ہیں والخطاب للاولیاء والسادۃ وفیہ دلیل ان المرأۃ والعبد لا یستبدان بہ اذلو استبدا لما وجب علی الولی والسید۔ تفسیر بیضاوی: ۲/ ۷۹ یعنی آیت میں خطاب سرپرستوں اور غلاموں کے مالکوں سے ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت اور غلام خود سے اپنا نکاح نہیں کر سکتے۔ اگر اس کا انھیں حق ہوتا تو سرپرست اور آقا پر اس کی ذمہ داری عائد نہ ہوتی۔ لیکن اس پر بجا طور پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ 'ایم' کا لفظ مطلقاً بے شادی شدہ کے لیے آتا ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ اگر عورت اپنے سرپرست کے بغیر شادی نہیں کر سکتی تو مرد بھی نہیں کر سکتا۔ اس میں عورت کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟۔

سے اس کا مطالبہ کرے حالانکہ ان شرائط کا آیت میں ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح آیت میں اس کا بھی ذکر نہیں ہے کہ جو بے شادی شدہ ہو اس کی نہ صرف شادی کی جائے بلکہ شادی کے بعد اس کے بیوی بچوں کا نفقہ بھی برداشت کیا جائے۔ ان سب باتوں کے لیے دوسرے نصوص اور قیاس کا سہارا لیا گیا ہے۔ لیکن اس موضوع سے متعلق تمام آیات واحادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح آدمی کا ایک ذاتی مسئلہ ہے جسے بذات خود اسی کو حل کرنا ہے۔ دوسرے افراد اس معاملہ میں زیادہ سے زیادہ اس کا تعاون کر سکتے ہیں چنانچہ اسی زیر بحث آیت میں بے شادی شدہ لوگوں کے نکاح کا حکم دینے کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ اگر وہ غریب ہوں تو نکاح کے بعد ان کا اور ان کے بیوی بچوں کا معاشی بوجھ سرپرستوں کو اٹھانا ہوگا بلکہ یہ فرمایا اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور:۳۲) یعنی وہ اگر محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی بنا دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں نکاح اور اس سلسلہ کی مالی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں کوئی قانونی حکم نہیں دیا گیا ہے بلکہ اخلاقی تعلیم دی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام خاندان کے اندر بلکہ پورے معاشرہ کے اندر یہ رجحان پیدا کرنا چاہتا ہے کہ کوئی شخص محض اپنی غربت کی وجہ سے شادی کے بغیر نہ رہے۔ اگر کوئی نیک اور صالح انسان نکاح کرنا چاہے تو ہر شخص اپنی لڑکی اس کے عقد میں دینے کے لیے تیار رہے۔ اسی طرح کسی نیک اور شریف لڑکی کی غربت اس کے نکاح میں رکاوٹ نہ ہو۔ اس کی شرافت اس کی مالی حیثیت پر مقدم رکھی جائے۔ نکاح کے ذریعہ اصلاً عفت وعصمت مطلوب ہے مال ودولت نہیں۔ مال ودولت تو دھوپ چھاؤں ہے۔ اللہ جسے چاہے غنی بنا دے، جسے چاہے دست نگر۔ ایک غریب اور مفلس محض خدا کو خوش کرنے اور عفت کی زندگی گزارنے کے لیے نکاح کی ہمت کرے تو کچھ بعید نہیں کہ اسی اقدام کی بدولت اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل وکرم سے نواز دے۔ اس کے بعد براہ راست ان لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے۔ فرمایا:

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ	جن لوگوں کو نکاح کے وسائل نہ حاصل ہوں وہ عفت کی زندگی گزاریں

اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ (النور:۳۳)	یہاں تک کہ اللہ انھیں اپنے فضل سے غنی کردے (تو نکاح کریں)

مطلب یہ کہ جن لوگوں کو وسائل نکاح فراہم نہ ہوں ان کو صبر اور ضبطِ نفس سے کام لینا ہوگا اور عفت وعصمت کی زندگی گزارنے کے لیے سخت جدوجہد اور محنت کرنی ہوگی تا آنکہ اللہ تعالیٰ نکاح کی سہولت فراہم کردے۔ اگر مفلس اشخاص کا نکاح ان کے سرپرستوں یا اسلامی ریاست پر واجب ہوتا تو ان کو صبر وضبط کی تلقین کی جگہ سرپرستوں اور اسلامی ریاست کو تاکید کی جاتی کہ وہ اپنا فرض ادا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں اور اس معاملہ میں مستحقین کی وہ مدد کریں جو از روئے قانون ان پر واجب ہے۔

اب آئیے احادیث کی طرف رجوع کیا جائے۔ احادیث میں نکاح کی فضیلت بیان ہوئی ہے، اس کی ترغیب دی گئی ہے اور جو شخص نکاح کے قابل ہو اس کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ نکاح کرے اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے ہدایت کی گئی ہے کہ وہ کثرت سے روزے رکھے تاکہ شہوت کا زور ٹوٹے اور کسی بدکاری میں پڑنے سے بچنا آسان ہو۔ احادیث میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو شخص عفت کی زندگی گزارنا چاہے اور اس کے لیے کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ لیکن کہیں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ کوئی شخص تجرد کی زندگی گزار رہا ہو تو دوسرے پر اس کے نکاح کا انتظام کرنا واجب ہے۔

یہاں ہم اس سلسلے کی دو حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

یامعشر الشباب	اے گروہ جواناں! تم میں سے جو شخص
من استطاع منکم الباءۃ	نکاح کی طاقت (جسمانی اور مالی) رکھتا ہو
فلیتزوج فانہ اغض	اسے نکاح کرلینا چاہیے۔ یہ نگاہوں کو نیچی
للبصر واحصن للفرج	رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کا بہترین
ومن لم یستطع فعلیہ	ذریعہ ہے جس شخص کے اندر اس کی استطاعت
بالصوم فانہ لہ وجاء[1]	نہ ہو وہ روزوں کا التزام کرے۔ یہ جنسی
	خواہش کو توڑنے کا ذریعہ ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب قول النبیؐ من استطاع منکم الباءۃ۔ مسلم، کتاب النکاح

دوسری روایت حضرت ابوہریرہؓ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثلثة حق على الله عونهم المكاتب الذي يريد الاداء والناكح الذي يريد العفاف والمجاهد في سبيل الله [۱]

تین (قسم کے) اشخاص کی مدد کرنے کی اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر ذمہ داری لی ہے۔ ایک مکاتب (وہ غلام جس نے اپنے آقا سے یہ معاملہ کیا ہو کہ وہ متعین رقم ادا کر کے آزاد ہو جائے گا) جو رقم ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، دوسرا وہ شخص جو عفت کی زندگی گزارنے کے لیے نکاح کا ارادہ کرے، تیسرا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر شخص کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ عفت وعصمت کی زندگی گزارے اور جنسی خواہش کی تسکین کا جو صحیح اور فطری طریقہ شریعت نے بتایا ہے اسے اختیار کرے۔ اس کے وسائل موجود نہ ہوں تو ان کو فراہم کرنے کی کوشش کرے۔ یہ ذمہ داری اس کے علاوہ کسی دوسرے پر عائد نہیں ہوتی کہ وہ اس کو ازدواجی زندگی کا پابند بنائے اور اس سلسلہ کا بوجھ اٹھائے۔ یہاں ایک حدیث کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو بظاہر اس سے متصادم ہے۔ بیہقی نے حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من ولد له ولد فليحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فليزوجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثما فانما

جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہو تو اس کا اچھا نام رکھے اور اسے ادب و اخلاق کی تعلیم دے اور جوان ہو جائے تو اس کی شادی کر دے۔ جوان ہونے کے باوجود شادی نہیں کی اور وہ کبھی غلطی کا مرتکب

---

[۱] رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب النکاح)

اثمہ علی ابیہ[1] | ہوگیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا۔

اسی مضمون کی ایک اور روایت بھی آتی ہے ۔

حق الولد علی والدہ ان	بچہ کا باپ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کا اچھا
یحسن اسمہ ویزوجہ اذا	نام رکھے اور جوان ہوجانے تو اس کی
ادرک ویعلمہ الکتاب[2]	شادی کردے اور اسے قرآن کی تعلیم دے۔

اس طرح کی احادیث سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ باپ پر اولاد کا نان ونفقہ اور تعلیم وتربیت ہی نہیں نکاح بھی فرض ہے ۔ اس فرض کی ادائیگی میں وہ کوتاہی کرے اور اس کوتاہی کی وجہ سے اولاد بدکاری میں گرفتار ہوجائے تو وہ بھی گناہ گار ہوگا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان احادیث میں کوئی فقہی اور قانونی حکم نہیں بیان ہوا ہے بلکہ اخلاق کی زبان میں باپ کو نصیحت کی گئی ہے کہ وہ اولاد کے دین واخلاق کی بھی نگہداشت کرے اور اس معاملے میں غفلت اور بے پروائی سے کام نہ لے ۔ اولاد جب تک کم عمر ہے اس کی تعلیم وتربیت کی فکر کرے اور جب جوان ہوجائے تو باعصمت زندگی گزارنے میں اس کو مدد دے ۔ اس کو نکاح کی ترغیب دے، بلاوجہ اس میں تاخیر سے منع کرے، اس کے لیے اچھا رشتہ ڈھونڈے، وقت ضرورت اس کا مالی تعاون کرے ۔ غرض یہ کہ سماجی، معاشرتی اور اخلاقی طور پر جو بھی مدد کی جاسکتی ہے اس سے دریغ نہ کرے ۔ یہ اس کی قانونی نہیں بلکہ اخلاقی ذمہ داری ہے ۔

اسلامی تاریخ سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ بے شادی شدہ افراد کا نکاح ان کے سرپرستوں یا اسلامی ریاست پر واجب رہا ہو ۔ ہر دور میں بے شادی شدہ لوگ ہوتے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی اسی طرح کے لوگ رہے ہوں گے لیکن نہ تو آپؐ نے اور نہ آپ کے خلفاء نے سرپرستوں کو ان کے نکاح کا حکم دیا اور نہ اسلامی ریاست نے اس کی ذمہ داری قبول کی ۔ یہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ بے شادی شدہ اشخاص کا نکاح کرانا نہ تو افراد پر واجب

---

[1] ابن قیم: تحفۃ المودود باحکام المولود ص۱۳۴ [2] رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ والدیلمی فی مسند الفردوس قال المناوی اسنادہ ضعیف التیسیر لشرح الجامع الصغیر: ۱/۵۰۰

ہے اور نہ حکومت پر۔ ابن حیان اندلسی کہتے ہیں :۔

.... ولم یخل عصر من	بے شادی شدہ لوگوں سے کوئی
الاعصار من وجود الایامیٰ	زمانہ خالی نہیں رہا ہے۔ اس پر نہ کسی
ولم ینکر ذالك ولا امر	نے نکیر کی اور نہ سرپرستوں کو ان کے
الاولیاء بالنکاح [1]	نکاح کا حکم ہی دیا ہے۔

بے شادی شدہ افراد کا نکاح کرانا واجب نہ ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ شریعت میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ سے اس کا وجوب نہ بھی نکلے تو کم ازکم اتنی بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ وہ خدا کے نزدیک ایک بہت ہی پسندیدہ عمل ہے۔ احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

من زوج لله	جس نے اللہ کی رضا کی خاطر کسی ضرورتمند
توجه الله تاج الملك [2]	کی شادی کرادی تو اللہ تعالیٰ قیامت
	کے روز اسے ایک سلطنت کا تاج پہنائے گا۔

لڑکیوں کے نکاح کے بارے میں آپ نے اور زیادہ صراحت کے ساتھ فرمایا:

من عال ثلاث بنات	جس نے تین لڑکیوں کی پرورش
فادبهن وزوجهن و	کی، انھیں ادب واخلاق سے آراستہ کیا،
احسن الیهن فله	ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ حسن سلوک
الجنة [3]	کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔

اس مضمون کی اور روایتیں بھی آتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک لڑکی کی بھی آدمی اچھی طرح پرورش کرے، اس کے ساتھ ہمدردی اور محبت کے ساتھ پیش آئے اور جوان ہونے کے بعد اس کی شادی کردے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت

---

[1] البحر المحیط : ۴/۴۵۰

[2] ابوداؤد، کتاب الادب، باب من کظم غیظا

[3] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فضل من عال یتامیٰ

عطا فرمائے گا۔[1]

پچھلے صفحات میں آپ نے دیکھا کہ ہمارے فقہاء نے اس طرح کی بحث کی ہے کہ والدین پر اولاد کا یا اولاد پر والدین کا نکاح واجب ہے یا نہیں؟ کسی نے کہا واجب ہے کسی نے کہا واجب نہیں ہے، کسی نے کہا بیٹے پر باپ کا نکاح تو واجب ہے لیکن باپ پر بیٹے کا نکاح واجب نہیں ہے۔ کسی نے کہا والدین کے علاوہ دوسرے سرپرستوں پر بھی نکاح کرنا واجب ہے، کسی نے کہا اسلامی ریاست پر بھی اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، کسی نے کہا ان میں سے کسی پر اس کی ذمہ داری نہیں عائد ہوتی۔ اس پوری بحث کا تعلق اس مسئلہ کے فقہی اور قانونی پہلو سے ہے لیکن اگر اس کے اخلاقی پہلو کو سامنے رکھا جائے تو اس کی نوعیت بالکل بدل جاتی ہے اور ایک ایک فرد بلکہ پورے معاشرہ کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ہر شخص کو نکاح کی سہولت فراہم کرے، اس لیے کہ اسلام ایسی سوسائٹی کی تعمیر کرنا چاہتا ہے جو با اخلاق ہو، جہاں عفت و عصمت کی قدر و قیمت محسوس کی جائے اور اسے فروغ دیا جائے، بدکاری اور بے حیائی کو معصیت سمجھ کر اجتناب کیا جائے اور اسے ختم کرنے کی کوشش کی جائے، اس کے لیے ایک طرف تو یہ ضروری ہے کہ جنسی تسکین کے لیے نکاح کو آسان بنایا جائے اور اس سلسلہ میں سہولتیں فراہم کی جائیں اور دوسری طرف بدکاری کی راہ میں ایسی رکاوٹیں کھڑی کر دی جائیں کہ ان کو پھاندنا دشوار ہو، جو شخص باعفت زندگی گزارنا چاہے ہر طرف سے اسے تعاون ملے اور کوئی فرد محض اس وجہ سے جنسی تسکین کے لیے ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر مجبور نہ ہو جائے کہ اسے جائز ذرائع میسر نہیں ہیں۔ اس طرح کا معاشرہ وجود میں لانے کے لیے ضروری ہے کہ ہر شخص قانون کے جبر سے نہیں بلکہ دل کی آمادگی کے ساتھ اس میں تعاون کرے اور اسے اپنا ایک اخلاقی فرض سمجھے کہ وہ معاشرہ میں جنسی انارکی پیدا ہونے نہ دے گا اور جن افراد کو بھی وہ زنا اور بدکاری سے بچا سکتا ہے بچائے گا۔ یہ جذبہ والدین کے اندر اولاد کے سلسلہ میں سب سے زیادہ ہونا چاہیے۔ اگر وہ اپنی اولاد کی عفت و عصمت کی بھی اسی طرح فکر کریں جس طرح ان کے کھانے کپڑے کی

---

[1] ملاحظہ ہو۔ الترغیب والترہیب ص ۳۸

فکر کرتے ہیں اور اسے بھی اپنی ذمہ داری محسوس کریں، ان پر اخلاق اور عفت وعصمت کی زندگی کے لیے نکاح کی اہمیت اور ضرورت واضح کریں اور ان کی راہ میں کوئی معاشی رکاوٹ ہو تو اسے دور کریں تو موجودہ بگڑے ہوئے معاشرہ میں بھی ان کو بڑی حد تک غلط روی سے بچایا جاسکتا ہے۔ اس معاملہ میں بعض اوقات والدین کی غفلت اور لاپرواہی غیر معمولی تاخیر اور نامعقول شرائط بھی اولاد کی بے راہ روی کا سبب بن جاتے ہیں، ظاہر ہے اس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس غفلت پر خدا کے ہاں ان سے بازپرس ہو سکتی ہے۔

کچھ ادارہ تحقیق وتصنیف کے بارے میں

ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی کی علمی خدمات اس کے واقف کاروں پر اچھی طرح عیاں ہیں۔ اس ادارہ کا ایک اہم شعبہ وہ ہے جس میں مدارس اور کالجز کے تعلیم یافتہ طلبہ کو دو سال کی تصنیفی تربیت دی جاتی ہے الحمدللہ اب تک اس پروگرام کے تحت جن طلبا نے فائدہ اٹھایا ہے وہ مختلف میدانوں میں دین کی مفید خدمات انجام دے رہے ہیں۔ فی الحال یہاں چار طالب علموں کی تربیت کی گنجائش ہے۔ آئندہ اس تعداد میں خاطر خواہ اضافہ پیش نظر ہے۔

ادارہ ان طلباء کو ماہانہ چھ سو روپے کا وظیفہ قیام کی سہولت کے ساتھ دیا کرتا تھا لیکن اب یہ رقم بڑھا کر سات سو روپے ماہانہ کر دی گئی ہے تاکہ زیادہ باصلاحیت طلبا اس کی طرف متوجہ ہوں۔

ادارہ کے سامنے ایک وسیع علمی وتحقیقی منصوبہ بھی ہے جس سے تفصیلی واقفیت یہاں کے شائع کردہ اردو اور انگریزی کتابچوں سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اسے بروئے کار لانے کے لیے سب سے پہلی ضرورت مناسب دفتر اور ہاسٹل کی تعمیر ہے۔ اللہ کے فضل سے اس مقصد کے تحت ایک قطعہ زمین حاصل ہو گیا ہے اور اس پر تعمیر کا نقشہ بن چکا ہے۔ اس کاغذی نقشہ کو عملی روپ دینے کے لیے اصحاب خیر کی زیادہ سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ وہ دل کھول کر اس کار ثواب میں حصہ لیں گے۔

ادارہ کے شعبہ تحقیق وتصنیف میں اس وقت بعض اہم کتابیں طباعت کے لیے تیار ہیں۔ ان کے مسودے پریس کے مرحلہ سے گزر کر منظر عام تک آنے کے لیے اہل خیر حضرات کے تعاون کے منتظر ہیں جو احباب علمی کاموں کے فروغ سے دلچسپی رکھتے ہوں ان سے تعاون کی درخواست ہے۔ تعاون کی درج ذیل شکلیں ممکن ہیں۔

(۱) اہل خیر حضرات خاص اس مد میں جو بھی تعاون کر سکتے ہوں کریں۔

(۲) ادارہ کو بطور قرض اس مد میں رقم فراہم کریں ان کی یہ رقوم کتابوں کی فروخت کے ساتھ ساتھ قسطوں میں ادا کر دی جائیں گی۔ ادارہ اپنے ہر قسم کے معاونین کا ممنون ہوگا۔ (جلال الدین)